{5} امام کے دائیں جانب کھڑے ہو جانا چاہیے: (جواب) اگر یہ ممکن ہو اور کافی بھی ہو تو بہتر ہے جیسے کہ آخر میں حضرت جابر کی حدیث آرہی ہے؛ لیکن اگر لوگ اکیلے اکیلے آتے رہیں تو بار بار صف پھلانگنے کی نوبت آئے گی؛ جس سے نمازیوں کو ایک ساتھی کے پیچھے ہٹنے سے کہیں زیادہ زحمت ہوگی۔

راقم درج ذیل احادیث کی روشنی میں کھینچنے کو ترجیح دے چکا ہے:[الترا ث ۲/۱۲۴-۱۲۵]

(1) حدیث ابن عباسؓ: ''میں نے اپنی خالہ کے ہاں رات گزاری، پھر نبی کریم ﷺ رات کو نماز پڑھنے اٹھے تو میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے اٹھا، میں آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، اس پر آپ ﷺ نے میرے سر کو پکڑا اور مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔'' [البخاری الأذان باب ۵۸ إذا قام الرجل عن یسار الإمام فحوله إلى یمینه لم تفسد صلاتهما ح۶۹۸، باب ۵۹ ح۶۹۹، مسلم صلاة المسافرین ح۱۸۷،۱۹۳ ۶/۴۴-۵۲]

(2) جابر کی طویل حدیث...... پھر میں آکر رسول ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا، پھر جبار بن صخرؓ وضو کر کے آیا اور آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر دھکیلا یہاں تک کہ ہمیں آپ کے پیچھے کھڑا کر دیا۔[مسلم الزهد ۱۸/۱۴۰-۱۴۱ ح۷۴، أبو داؤد الصلاة باب ۸۲ إذا كان الثوب ضيقا ح۶۳۴]

راقم کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ کا نمازی کو بائیں سے دائیں جانب لانا، نیز جابر اور جبار دونوں کو آگے سے پیچھے بھیجنا ثابت ہو گیا۔ یہ سب نبی کریم ﷺ نے صف بندی کے احکام کے مطابق دورانِ نماز انجام دیا۔

(3) حدیث جابر بن عبداللہ: ''میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا...... پھر آپ ﷺ اٹھے اور ایک ہی کپڑے کے پلو دائیں بائیں کر کے نماز پڑھنے لگے۔ پھر میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے مجھے کان سے پکڑا اور اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔''[مسلم صلاة المسافرین ۶/۵۳ ح۱۹۵]

دیکھیے: حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو اسے آگے کھینچ کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اکیلے جابر کی نماز امام کے پیچھے واقع ہونے سے بچانے کے لیے یہ اقدام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ سے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی اجازت کہیں ثابت نہیں، اب اکیلے نمازی کے لیے صف سے ایک آدمی کو کھینچ لینا حرام کیوں ہے؟!

اصلاح عقیدہ قسط:28

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقیؒ

میت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبید ابو عامر اشعریؓ کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تھی۔☆(۱) شاہ محمد اسحاق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ظاہراً جائز ہے اور قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔[مسلم ، الإصابة] ☆(۲)

یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ میت کو ثواب دلانے کے لیے صدقہ وخیرات کرنا نہایت فائدہ مند حسن سلوک اور ہمدردی ہے اور نصوصِ شرعیہ میں اس کا ثبوت ہے۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔

مگر ایصالِ ثواب کا صرف وہی طریقہ معتبر ہوگا جو دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اگر کسی عاقل بالغ کے ذمے کچھ نمازیں باقی ہوں اور اس حالت میں وفات ہو جائے تو حضرات فقہائے کرامؒ نے روزہ پر قیاس کر کے اس کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے؛ مگر اس میں صرف قیاس نہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایتیں بھی موجود ہیں۔ گو بظاہر موقوف ہیں مگر حکماً مرفوع ہیں۔

☆(۱) ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے بعد ابو عامر اشعریؓ کو غزوہ اوطاس کا سپہ سالار بنا کر بھیجا، مسلمانوں کو فتح ملی اور ابو عامرؓ شدید زخمی ہو گیا۔ ابو موسیٰؓ نے اس کے قاتل کو ہلاک کر کے ابو عامرؓ کو بتایا، انہوں نے ابو موسیٰؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میرا اسلام پہنچانا اور عرض کرنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ یہ اطلاع پا کر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: ''اللهم اغفر لعبيد أبي عامر ، اللهم اجعله يو م القيامة فوق كثير من خلقك'' پھر ابو موسیٰؓ کے مطالبے پر اس کے لیے بھی دعا مانگی۔ اور ابو عامرؓ شہید ہو گیا۔[مسلم فضائل الصحابة ۵۹/۱۶، بخاری المغازی باب ۵۵ ح:۴۳۲۳]

☆(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ ایک شب رسول اللہ ﷺ چپکے سے جنت البقیع تشریف لے گئے..... '' فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات... '' اور کھڑے ہو کر لمبی دعائیں کرتے رہے اور تین دفعہ ہاتھ بھی اٹھائے، پھر واپس لوٹے... آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے مجھے جنت البقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کا حکم فرمایا تھا۔ [مسلم كتاب الجنائز ۴۲/۷۔۴۴ ح:۱۰۳]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " لا یصلی أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولکن یطعم عنه" [سنن النسائی الکبری، مشکل الآثار] ''کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے، نہ کسی کی طرف سے روزہ رکھے، لیکن اس کی طرف سے کھانا کھلائے۔'' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لا یصلین أحد عن أحد ولا یصومن أحد عن أحد ، ولکن ان کنت فاعلا تصدقت أو أهديت عنه" [مشکل الآثار] ''کوئی بھی ہرگز کسی کے عوض نماز نہ پڑھے، نہ ہرگز کسی کے بدلے روزہ رکھے، لیکن اگر تجھے کچھ کرنا ہی ہے تو اس کی طرف سے صدقہ دے یا ہدیہ پیش کرے۔'' ☆

☆ میت کی طرف سے روزے کا فدیہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی الله عنها کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه" [بخاری الصوم باب ٤٢ ح:١٩٥٢، مسلم الصیام ٢٣/٧ ح:٣٠] ''جس فوت شدہ شخص کے ذمے روزے ہوں، اس کی طرف سے اس کا قریبی رشتہ دار روزہ رکھ لے۔''

میت کے ذمے روزہ واجب ہونے کا تصور مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوگا:

(١) روزے کی نذر مانی ہو، پھر نذر پورا کیے بغیر موت آئی ہو۔

(٢) رمضان میں سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو، پھر رمضان کے بعد عذر دور ہو کر روزہ رکھنے کی مہلت ملنے کے باوجود روزے میں تأخیر کر کے موت آئی ہو۔ [بذل المحهود الصوم باب ٤٠ ٤/٤٧٧]

(٣) کسی گناہ کے کفارے میں روزہ واجب ہو گیا ہو۔ ایسی صورتوں میں اہل علم کے اقوال درج ذیل ہیں:

[١] طاؤس، حسن بصری، زہری، قتادہ اور ابوثور رحمة اللّٰه علیهم وغیرہ اسی حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ مرنے والے کے ذمے روزے واجب الادا ہوں، تو اس کے ولی کو اس کی طرف سے روزے رکھنا بہتر ہے۔

نووی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور محققین اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ [المنهاج ٢٦/٨]

ابن القیمؒ: شافعی کا قول قدیم یہ ہے: اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میت کی طرف سے حج کی طرح روزہ بھی درست ہوگا۔

[بذل المحهود ٤٧٨/٤، تحفة الاحوذی الصوم باب ٢٢ ح:٢١٦ ١٣١/٣]

(فوائد) ا۔ شمس الحق: اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر رمضان میں مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا، پھر عذر دور ہو جانے کے بعد روزہ رکھنے میں کوتاہی نہیں کی یہاں تک کہ موت آ گئی تو اس کے ذمے کچھ نہیں۔ [بذل المحهود ٤٧٨/٤]

۲۔قاضی عیاض: امت کا اجماع ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے فوت شدہ نماز کی قضا نہیں کرے گا اور کوئی بھی کسی زندہ شخص کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکے گا۔[المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ۲۶/۸]

[۲] اللیث بن سعد، احمد، اسحاق اور ابوعبید القاسم بن سلام رحمة الله عليهم کہتے ہیں کہ میت کے ذمے نذر کا روزہ ہو، تو اس کے ولی (قریبی رشتہ دار) کو یہ روزہ رکھنا چاہیے۔لیکن دوسری صورتوں میں بدل روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دینا چاہیے۔[الترمذی زیر حدیث: ۷۱۸]

ان کا استدلال حدیث ابن عباس ﷺ سے ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میری ماں وفات پا چکی ہے اور اس کے ذمے نذر کا روزہ ہے، اب کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أرأيت لو كان على أمك دين فقضيته أ كان يؤدى ذلك عنها ؟''بتا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتی تو اس کی طرف ادا ہو جاتا؟''وہ بولی:''ہاں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:'' فصومى عن أمك ''تو اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔''[مسلم الصيام ۲۴/۸۔۲۵] ابن القیم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[بذل المجهود ۴۷۹/۴]

ابن عباس ﷺ: بندہ رمضان میں بیمار رہے اور بعد میں وفات پائے تو فدیہ دیا جائے، اس پر قضا نہیں۔اگر اس کے ذمے نذر کا روزہ ہو تو ولی روزہ قضا کرے۔[ابوداؤد باب ۴۱ ح: ۲۳۹۸]

[۳] عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عائشہ ﷺ کا ایک قول، حسن بصریؒ اور زہریؒ کی ایک روایت، امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا قول ہے کہ میت کی طرف سے روزہ رکھنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ [ترمذی تحت حدیث ۷۱۸، بذل المجهود ۴۰۹/۴]

مصنف نے اسی قول کو ترجیح دیتے ہوئے ابن عباس ﷺ اور ابن عمر ﷺ کے اقوال کو''حکماً مرفوع'' قرار دیا ہے۔

جبکہ درج ذیل دلائل وقرائن کی بنا پر یہی قول کمزور ترین ہے:

۱۔ ''من مات وعليه صيام صام عنه وليه ''متفق علیہ حدیث ہے اور اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔اور یہ حدیث عام ہے۔

۲۔ حدیث ابن عباس ﷺ میں نذر کے روزے کا ذکر ہے، یہ صرف ایک پیش آمدہ سوال کا جواب ہے، جبکہ حدیث عائشہؓ میں عام قاعدہ مقرر کیا گیا ہے۔[تحفة الأحوذی ۱۳۳/۳]

۳۔ حدیث ابن عباس ﷺ میں نبی کریم ﷺ نے میت کی طرف سے روزہ رکھنے کو اس کی طرف سے قرض ادا کرنے =

کی طرح قرار دیا ہے۔ اور اس مشابہت میں نذر اور دوسری صورتوں میں کوئی واضح فرق نہیں۔

۴۔ صحابی کا قول حکماً مرفوع ہونے کے لیے شرط ہے کہ مرفوع حدیث کے مخالف نہ ہو۔ یہاں مرفوع حدیث کے ظاہراً مخالف ہونے کی وجہ سے ''حکماً مرفوع''، تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ ابن القیمؒ: نذر قرض جیسی چیز ہے، جس میں نیابت ہوسکتی ہے۔ رمضان کا روزہ دین کا رکن ہے جس میں کلمہ شہادت، نماز، زکاۃ اور حج کی طرح نیابت نہیں ہوسکتی۔ عمداً ترک کرنے والا نیابت سے بری نہ ہوگا۔[بذل المجهود ٤/٤٧٩]

ابن عبدالبرؒ: بخاری میں ذکر ہے کہ ایک عورت کو ماں کی طرف سے نذر کردہ نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے ابن عباس نے فرمایا "صلی عنها" (تحفة ۳/۱۳۴)

۶۔ ان صحابہ کرام سے اس کے خلاف بھی روایت ہے، جیسے بخاری نے ابن عمر کا قول ذکر کیا ہے۔[تحفة الاحوذی ۳/ ۱۳۳] اور ابن عباس ؓ سے بھی روایت ہے: ''**يصام عنه النذر**'' [**مصنف ابن أبي شيبة بسند صحيح**]

۷۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ ایک میت کے ذمے روزہ ہے، آپ نے کہا: ''**يطعم عنها**'' (صحیح) اس کے مقابلے میں یہ روایت کمزور ہے: ''**لا تصوموا عن موتاكم وأطعموا عنهم**'' [**بيهقي ضعيف جداً**]

۸۔ ان صحابیوں کے قول ''**لا يصوم أحد عن أحد**''، کو ''**روزے کی قضا**'' کے بجائے صرف ''**ایصالِ ثواب**'' پر محمول کرنا چاہیے، کیونکہ مندرجہ ذیل قرائن اس کی تائید کرتے ہیں:

(الف) اس صورت میں یہ اقوال حدیث نبوی سے متصادم نہیں ہوتے۔

(ب) ان اقوال میں میت کی طرف سے ''نماز ادا نہ کرنے'' کا بیان بھی ہے۔ جبکہ قرآن مجید، حدیث نبوی اور اقوالِ صحابہ ؓ میں کہیں بھی کسی مسلمان کے نماز نہ پڑھنے کا تصور ہی نہیں ہے۔

(ج) ابن عمر ؓ کے قول میں ''**ان كنت فاعلا تصدقت أو أهديت عنه**'' سے یہ مقصد واضح ہے کہ اگر تم میت کے مفاد میں کوئی نیکی انجام دینا چاہتے ہو تو اس کی طرف سے نماز یا روزہ جیسی بدنی عبادت کے بجائے صدقہ یا ہدیہ جیسی مالی عبادت انجام دو۔

(د) میت کو دوسرے زندہ لوگوں کے عمل سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہونا قرآن وحدیث کے عام نصوص سے واضح ہے۔ [دیکھیے: **التراث** 31/ 21-20] اس لیے ایصالِ ثواب کو صرف ان چیزوں تک محدود رکھنا ضروری ہے، جن کے متعلق واضح شرعی دلیل موجود ہو؛ اور وہ ہیں: دعا، فرض روزے کی قضاء (یا فدیہ)، قرض کی ادائیگی، حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات۔

ہر روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم ہے۔صاع 270 تولے کا ہوتا ہے۔☆

صاعِ کوفی ہست اے مردِ فہیم دو صد و ہفتاد تولہ مستقیم

= میت کی طرف سے نماز کا فدیہ:

جن ''فقہائے کرامؒ'' نے روزے پر قیاس کر کے چھوٹی ہوئی نمازوں کے عوض بھی ''فدیہ'' تجویز کیا ہے، انہوں نے بالکل کوئی قابل قدر اجتہاد نہیں کیا۔اس اجمال کی وضاحت یہ ہے:

۱۔ ان فقہاء نے بوڑھوں اور دائمی مریضوں پر ''میت'' کو قیاس کر کے روزے کا فدیہ تجویز کیا ہے۔یہ قیاس قابل قبول ہوگا، خصوصاً جب میت کے اقارب اس کی طرف سے روزے نہ رکھ سکیں۔

۲۔ میت کے روزے کا فدیہ ہی ''قیاس'' سے ماخوذ ہے۔اسے ''اصل'' بنا کر اسی پر نماز کو قیاس کرنا کیسے جائز ہوگا؟

۳۔ نماز کو روزے پر قیاس کرنا ہی ''قیاس مع الفارق'' ہے، جو کسی صورت میں بھی درست نہیں۔کیونکہ:

(الف) نماز کے لیے ﴿إن الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا﴾[النساء ۱۰۳] جبکہ مرض اور سفر کی صورت میں روزے کے لیے ﴿ فعدة من أيام أخر ﴾[البقرة ۱۸۴،۱۸۵] فرمایا گیا ہے۔پس نماز کو بہر حال مقررہ وقت میں ادا کرنا فرض ہے، جبکہ عذر کی صورت میں روزے کی ادائیگی کے لیے وسیع وقت ہے۔

(ب) نماز کے لیے بیماری، سفر، پانی کی عدم دستیابی، سمت قبلہ سے لاعلمی وغیرہ تمام مسائل میں رعایت دی گئی ہے، لیکن نماز کا وقت گزرنے تک تاخیر کرنے کی کوئی گنجائش ثابت نہیں ہے؛ حتیٰ کہ دورانِ جنگ بھی نماز کو بروقت اور باجماعت ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے طریقہ سکھایا گیا ہے۔[النساء ۱۰۲]

(ج) رسول اکرم ﷺ نے **ترکِ نماز کو کفر اور شرک** فرمایا ہے۔[مسلم ایمان ح:۱۳۴،ابوداؤد السنة باب:۱۵] لہٰذا اگر بندہ ترکِ نماز سے توبہ کیے بغیر مر گیا ہو تو اس کی طرف سے کسی فدیے کی ادائیگی یا ایصالِ ثواب تو درکنار، دعائے مغفرت کرنا بھی محل نظر ہے۔[التوبة ۱۱۳، ۱۱۴، سورة الممتحنة ٤]

☆ **270** تولے: **3** سیر **6** چھٹانک اور موجودہ حساب سے تقریباً **3** کلو **148** گرام بنتے ہیں۔یہ صاع ''کوفی'' ہے جو **8** رطل کا ہوتا ہے؛ جبکہ شریعت اسلامیہ میں ''مدینہ منورہ'' کا صاع معتبر ہے، جس کی مقدار **5 1/3** رطل ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:[التراث 36/49-43]